ہیر۔ دیس پنجاب کی انٹی گونی

حماد رسول*

Abstract:

Writer of this article has traced a resemblance between Antigone of Greek mythology and Heer,who became a legend in Punjab.Social Scientist and critic Ali Abbas Jallal Puri has pointed out the commonality of these powerful characters in his book"Muqamaat e Waris Shah",which has made them symbol of resistance.Antegone and Heer also refused to submit to those authorities,who deem women a weaker folk just to raise off spring ,even if this relationship is enforced.

قصہ ہیر رانجھا ایک ولولہ انگیز عشقیہ داستان ہے جو کہ زمانہ قدیم سے دیس پنجاب میں نہ صرف مقبول ہے بلکہ شہرت دوام کا درجہ رکھتی ہے اور اسی قصہ کی بدولت وارث شاہ کا نام بھی امر ہو کر رہ گیا ہے۔'ہیر' اپنے زمانہ تخلیق سے لے کر آج تک ہر طبقہ اور خیال کے لوگوں میں یکساں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے۔ میلے ٹھیلوں میں باقاعدہ 'ہیر' پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ وارث شاہ نے اِس عشقیہ داستان کے اندر دیس پنجاب کی زبان، رسوم ورواج، تہذیب وثقافت اور مذہبی عقائد کو نہایت مشاقی اور دلفریب انداز میں سمو دیا ہے۔ یہ وارث شاہ کا کمالِ علم وفن ہے کہ داستان کے تمام کردار اپنی زبان، محاورہ تراکیب اور معاملات کی بدولت جیتی جاگتی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ مثلاً جب رانجھا جوگ لینے کیلئے ٹلہ جوگیاں جاتا ہے وہاں پر بالناتھ کے ساتھ ہونے والا رانجھے کا مکالمہ اِس کا بین ثبوت ہے۔ جس میں وارث شاہ نے جوگ یوگ کے تمام اسرار ورموز اور مبادیات نہایت خوبصورتی سے بیان کی ہیں یہاں ایسا لگتا ہے جیسے وارث شاہ کوئی مہا گیانی اور کرنی بھرنی والا جوگی ہے۔ اسی طرح ہیر اور قاضی کے درمیان میں ہونے والے مکالمے میں شرح ودین کے معاملات جس طور بیان ہوئے ہیں وہ اِس پر دلالت ہیں کہ وارث شاہ فقیہ وشرح کے علوم پر مکمل گرفت رکھتے ہیں اسی طرح دیگر کرداروں کے توسط سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ

* پی ایچ۔ڈی۔ سکالر شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

وارث شاہ مختلف زبانوں پنجابی، سنسکرت، عربی، فارسی اور ہندی کے ساتھ ساتھ مختلف سماجوں اور مذاہب کا گہرا شعور اور ادراک رکھتے تھے اور علم کا یہی بحرِ بےکراں ہے جو اس داستان کے اندر اپنے اوج پر دکھائی دیتا ہے۔ صوفیہ وجودیہ کے نزدیک اس کی ایک خاص اہمیت ہے کہ ان کے خیال میں وارث شاہ نے عشقِ حقیقی کے ماورائی تصور کی ترجمانی مجاز کے رنگ میں کی ہے اور یہ کہ اس کے پڑھنے اور سننے سے باطن کی دُنیا روشن ہو جاتی ہے۔ سینہ گداز سے بھر جاتا ہے اور عشقِ حقیقی کے سربستہ راز منکشف ہوتے ہیں جو مسالک کے سفرِ سلوک کو طے کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں۔

ہیر رانجھا کی اِس عشقیہ داستان کو انہی دو پہلوؤں یعنی معاملاتِ عشق و محبت اور متصوفانہ اسرار و رموز کے حوالہ سے دیکھا گیا ہے اور اس کے بہت سے ایسے پہلو جو کہ روشن خیالی اور عقلیت پسندی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں تا حال تاریکی اور دھند میں لپٹے ہوئے ہیں۔ اِس داستان کے کرداروں پر نگاہ دوڑائیں تو 'ہیر' کا کردار ایک ایسا کردار ہے جو کہ تانیثیتی فکر کے حوالہ سے نہایت جاندار کردار ہے 'ہیر' عزم و حوصلہ اور حریتِ فکرِ نسواں کی علمبردار ہے جو اپنے حقوق کی پامالی اور استحصال پر مسلم بغاوت بلند کرتا ہے۔

تاریخ کا طالبعلم بخوبی جانتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی و ارتقاء میں عورت کا خاص کردار رہا ہے۔ تہذیب و تمدن کا باقاعدہ آغاز پتھر کے تیسرے اور آخری دور سے ہوتا ہے۔ جس میں عورت نے فصلیں اُگانے کا راز دریافت کیا۔ یہ بات اس کے مشاہدہ میں آئی کہ جہاں کہیں اناج کے دانے گرتے ہیں وہیں زمین سے اکھوے پھوٹنے لگتے ہیں اور اگر ان کو محفوظ کر لیا جائے تو ان کی بالیں دانوں سے بھر جاتی ہیں۔ انہیں بافراط اُگانے کیلئے عورتوں نے اپنے جھونپڑوں کے قریب زمین کھود کھود کر بیج بونا شروع کیا اور یوں شکار کی تلاش میں مارے مارے پھرنے کی بجائے لوگوں نے دریاؤں کے کنارے فصلیں اُگانا شروع کیں۔ جن کی نگرانی کیلئے 'بستیاں بسائی گئیں جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شہروں کی صورت اختیار کر گئیں اِس عہد کو 'زرعی انقلاب' کے نام سے موسوم کیا گیا اور عمرانی نقطۂ نگاہ سے ابتدائی زرعی معاشرہ کو 'مادر سری سماج' کہا گیا۔ زراعت سے وابستہ رہنے کے باعث زمین کی فصلیں پیدا کرنے اور عورت کی افزائشِ نسل جیسی مشترک خصوصیات کی بنا پر زمین کو 'ماں' قرار دیا گیا اور عورت کو تقدیس کی علامت جانا گیا اور اس کی پوجا کی گئی۔

سرکار زینی جارچوی کے بقول:

> ''ابتداء میں جب انسان نباتات پر گزارہ کرتا تھا وہ زمین کو ماں کہتا تھا۔ جس طرح ماں اپنے دودھ سے بچہ کو غذا فراہم کرتی ہے اسی طرح وہ سمجھتا تھا کہ زمین اسے غذا بہم پہنچاتی ہے اس لیے سب سے پہلے دھرتی دیوی اور ماتا دیوی کا وجود قائم ہوا۔''(۱)

سیّد علی عباس جلالپوری اِس سلسلہ میں کہتے ہیں:

''مادری نظام معاشرہ میں دھرتی دیوی یا مہامیّا کی پوجا بڑے ذوق وشوق سے کی جاتی تھی عورت بچے جنتی تھی اور دھرتی کی کوکھ سے فصلیں اُگتی تھیں۔، اس لیے دھرتی کو ماں کہا جاتا تھا اور وہ بھی عورت کی طرح بارآوری کی علامت بن گئی تھی۔قدیم سمیریا کی 'نانا'، بابلیوں کی 'عشتار'، ایران کی 'اناہتا (ناہید)، ہند کی 'اما' یونان کی 'افردائتی' روم کی 'وینس' وغیرہ دھرتی دیویاں تھیں۔''(۲)

اِس نظام معاشرہ میں عورت کو مرد پر فوقیت حاصل تھی۔ بچے ماں کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ باپ کی حیثیت ضمنی ہوتی تھی اور ماں کنبے کے رشتوں اور معاملات میں مرکز ومحور ہوتی تھی۔ اِس نظامِ معاشرہ میں مرد، عورت پر کسی نوع کا حقِ زوجیت نہیں رکھتا تھا اور حاکمیت کا درجہ محض عورت کو حاصل تھا۔ زرعی انقلاب کے انسانی زندگی پر نہایت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ دریاؤں کے کنارے بستیاں بسانے کے ساتھ جو مسئلہ سامنے آیا وہ یہ تھا کہ وہ صحرائی اور کوہستانی جو ابھی تک خانہ بدوشوں کی زندگی گذار رہے تھے۔موقع میسر آتے ہی ان بستیوں پر ٹوٹ پڑتے اور قتل وغارتگری اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے۔جن سے بچنے کیلئے بستی کے مکینوں نے کچھ حفاظتی دستے تیار کیے تا کہ حملہ آوروں سے بچا جا سکے اوران حفاظت کاروں کے معاشی معاملات کو اپنے ذمہ لیا۔

سیّد علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں:

''بستیوں کے مکینوں نے اِن کی ترکتاز کا مقابلہ کرنے کیلئے ہتھیار بند دستے بنائے۔ جن کی قیادت تنومند اور دلاور افراد کے سپرد کی گئی۔ یہ سردار جنگی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے۔ اِس لیے عالم کاشتکاروں نے اپنی پیداوار کا کچھ حصہ اِن کی وجہ معاش کیلئے وقف کر دیا تا کہ وہ یکسوئی سے دفاع کا کام سرانجام دے سکیں یہی رسم بعد میں مالیہ اور خراج کی صورت اختیار کر گئی، جو آج بھی زرعی مما لک میں وصول کیا جاتا ہے۔ زمانے کے گذرنے کے ساتھ یہ سردار بادشاہ بن بیٹھے اور عوام کے ذہن ودماغ پر اپنا تسلط قائم کرنے کیلئے دیوتاؤں کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔''(۳)

اس بدلتی ہوئی صورتحال میں عورت اپنی حیاتیاتی کمزوری کے باعث جملہ امور پر قابو نہ رکھ سکی اور مرد نے اپنی جسمانی طاقت کے بل بوتے پر تمام معاملات اور نظام پر قبضہ کرتے ہوئے زمینوں اور عورتوں کو اپنی ملکیت میں لے لیا اور یوں مادرسری نظام کے خاتمے کے ساتھ ہی جو نظام اُبھر کر سامنے آیا وہ 'پدرسری نظام' کہلایا۔ جس میں عورت دیگر اشیاء کی طرح مرد کی شخصی املاک بن گئی۔ مرد نے آزادانہ ہوسناکی اور کام جوئی کا حق اپنے لیے مخصوص کرتے ہوئے عورت پر عصمت وعفت کے پہرے بٹھا دیے۔

اِس حوالہ سے سیمون دی بووا اپنی کتاب 'جنس کی تاریخ' میں لکھتی ہیں:

''مادری حاکمیت کی جگہ پدری حاکمیت نے لے لی، جائیداد کی وراثت باپ سے بیٹے تک آنے لگی، نہ کہ عورت سے قبیلے تک۔ یہاں ہم ذاتی ملکیت کی بنیادوں پر قائم پدری خاندان کا ظہور دیکھتے ہیں۔ خاندان کی اِس قسم میں عورت محکوم ہوگئی۔ اپنی حاکمیت میں مرد نے خود کو جنسی ترنگوں کے حوالے کر دیا۔ مرد نے غلاموں یا کنیزوں کے ساتھ جنسی اختلاط کیا یا پھر کثرتِ ازدواج کرنے لگا۔''(۴)

پروہتوں نے عورتوں کو دیوداسیاں بنا کر اُن سے مقدس عصمت فروشی کرائی تو کاروباری لوگوں نے اور بردہ فروشوں نے قحبہ خانے کھول کر عورت کو بازاری جنس بنا دیا۔ جنسی استحصال پر عورتوں کے آواز اُٹھانے پر مذہبی مقتدر طبقہ نے اسے دیوتاؤں کی منشا اور خوشنودی کے ساتھ منسلک کر دیا اور عورتوں کے انکار کو زمینی پیداوار میں کمی کا باعث قرار دیا۔ سرکارزینی جارچوی کا کہنا ہے کہ:

''جنسی فعل سے انکار کے سبب زمین کی پیداوار میں کمی کی تمام تر ذمہ داری عورت پر ڈال دی گئی اور یہ باور کرایا گیا کہ اگر جنسی ملاپ جاری نہ رہا تو زمین فصل اُگانے سے انکار کر دے گی۔ مرد کو اتنی فکر خوراک کی نہ تھی جتنی عورت کو ہو سکتی تھی۔ اسے نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنی اولاد کو زندہ رکھنے کے لیے غذا کی ضرورت تھی۔''(۵)

یوں عورت اپنے آپ کو جنسی آلام اور استحصال سے محفوظ نہ رکھ سکی۔ مرد نے یک زوجگی کے تصور کو ختم کرتے ہوئے ایک سے زائد شادیوں کو رواج دیا اور جس پر عورتوں کی جانب سے احتجاج پر ان پر جسمانی تشدد کیا گیا۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اِس تمام تر ناانصافی اور استحصال پر مختلف مذاہب بھی مقتدر طبقہ کے ہم خیال اور ان کے اقتدار کو تحفظ فراہم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وجاہت مسعود کا کہنا ہے کہ:

''یہ درست ہے کہ منظّم مذاہب میں سے اکثر اصلاحی تحریکوں کے طور پر سامنے آئے اور معاشرے کے مظلوم طبقات کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے مگر بطور ایک ادارہ کے مذہب کا کام مقتدر نظام کو تحفظ بھی دینا ہے۔''(۶)

عورت کو جادوگرنی، چڑیل اور شیطان قرار دیا گیا اور مذہب کے نام پر اس کا سماجی، ثقافتی، معاشی اور تہذیبی استحصال کیا گیا۔ شوہر کے مر جانے پر بیوی کو اُس کے ساتھ زندہ جل مرنے کی تبلیغ کی گئی جسے مذہبی طبقہ نے 'ستی' کی رسم قرار دیا اور عورت کو بتایا گیا کہ پتی ورتا کا تقاضہ ہے کہ وہ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اِس کے ساتھ جل مرے جس کے نتیجہ میں 'سورگ' اِس پر لازم ہو جائے گی اِسی طرح مذہب اسلام کے بعد کے دور میں یعنی عہد ملوکیت اور بنو اُمیہ اور بنو عباس کے عہد میں جس طور لونڈیوں کی تجارت ہوئی اِس سے تاریخ کے طالب علم بخوبی واقف ہیں اور یہی رسم قبیح خلفائے عثمانیہ سے ہوتی ہوئی ہندوستان کے سلاطین کے محلوں اور حرم سراؤں میں جلوہ

افروز ہوی اِس ضمن میں وجاہت مسعود رقمطراز ہیں:

''اموی اور عباسی ادوار میں مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی عیاشی، غیر محدود تعداد از دواج اور کنیز داشتگی نے بدظنی اور بے جا جنسی اختلاط کو جنم دیا۔ بغداد، سامرہ، قاہرہ، قرطبہ، دمشق اور حلب وغیرہ بھیڑ بکریوں کی طرح کنیزوں کی خرید و فروخت کا مرکز بن گئے حرم سسٹم نے جنم لیا، خلفا اور سلاطین کے محلات میں بیویوں اور کنیزوں کی فوجیں معاشرے میں عورت کے مقام کو بڑی اچھی طرح واضح کر دیتی تھیں۔''(۷)

عورت کے حالات میں ایک واضح تبدیلی ہمیں صنعتی انقلاب سے دکھائی دیتی ہے۔ جب عورت نے بڑی صنعتوں میں کام کر کے اپنی معاشی آزادی کی بنیاد رکھی اور اپنی جسمانی طاقت اور فطری کمزوری کے تاریخی مغالطے کو جھٹلا دیا، صنعتی انقلاب اور عورت کی آزادی کے بارے میں جلالپوری لکھتے ہیں:

''صنعتی انقلاب کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ عورت صدیوں کی غلامی سے آزاد ہوتی جا رہی ہے اور مرد کی وہ برتری اور سیادت ختم ہوگئی ہے۔ جو اسے زرعی معاشرے میں حاصل تھی۔''(۸)

لیکن ہوا یہ کہ صنعتی انقلاب سے آنے والی تبدیلی بھی جلد ہی سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھوں نابود ہوگئی اور عورت ایک بار پھر سے استحصال اور جبر کی چکی میں پسنے لگی جس پر عورت نے اپنی آزادی اور حقوق کے حصول کے لیے باقاعدہ آواز اُٹھانا شروع کی۔ حقوقِ نسواں کے حق میں مشرق و مغرب کے بہت سے دانشوروں اور ادیبوں نے لکھا اور عورتوں نے اِس بات کو جان لیا کہ شخصی آزادی حاصل کرنا اِن کا بنیادی حق ہے۔ جس کے حصول کیلئے آواز اُٹھانا از حد ضروری ہے۔

اِس تناظر میں جب ہم وارث شاہ کی عشقیہ داستان کے کردار 'ہیر' کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ 'ہیر' اپنے عہد کا نہایت منفرد کردار ہے جو اِس تہذیبی اور معاشرتی پس منظر میں اپنے استحصال اور بنیادی حقوق کی سلبی پر خاموشی اختیار نہیں کرتی بلکہ نہایت ہمت اور حوصلے سے آواز اُٹھاتی ہے اور اِن فرسودہ رسوم و رواج اور احکامات کا جو سماج اور مذہب کی طرف سے نافذ کیے گئے ہیں، انکار بھی کرتی ہے۔ ہیر کی جرأت مندی اِس وقت ہمارے سامنے آتی ہے جب اِس کے چچا کیدو کے اُکسانے پر ہیر کے والدین اِس کا بیاہ سیدے کھیڑے سے کرنے کی ٹھان لیتے ہیں اور ہیر کی ماں 'ملکی' ہیر کو رانجھے کے ساتھ عشق لڑانے پر برا بھلا کہتی ہے اور دھمکیاں دیتی ہے تو ہیر انہیں رانجھے سے کیا گیا قول یاد دلاتی ہے اور اِن کی بات ماننے سے انکار کر دیتی ہے یہاں ہیر کا لہجہ قابل غور ہے:

ہیر مانوں دے نال آ لڑن لگی تساں ساک کیتا نال زوریاں دے
میں تاں نہیں جانا نال کھیڑیاں دے بھاویں لالے زور حضوریاں دے
کدوں منگیا منس میں آکھ تیتھوں ویر کڈھیونی کیہناں کھوریاں دے
ہن کریں ولا کیوں اساں کولوں ایہہ کم نہ ہوندے نی چوریاں دے
جیہڑے ہون بے عقل چالاوندے نیں اٹاں ماڑیاں دیاں وِچ موریاں دے
پہلاں مار کے پچھوں پیار کرنا چپ کرن ناہیں نال لوریاں دے
جا چغدنوں کونج دا ساک دتو پری بدھیائی گل دھوریاں دے
وارث شاہ میاں گنا چکھ سارا مزے وکھ نیں پوریاں پوریاں دے (۹)

ہمارے سماج میں لڑکی اپنی محبت کا اقرار کسی حد تک بلاخوف اور برملا اپنی ماں کے سامنے تو کر لیتی ہے لیکن بھائیوں کے سامنے وہی بات کہنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں ہیرا اپنے بھائی سلطان کے سامنے بھی نہایت بے خوفی سے اپنی محبت کا اقرار کرتے ہوئے کہتی ہے:

اکھیں لگیاں مڑن نہ ویر میرے بیبا وار گھتی بلہاریاں وے
وہن پئے دریا نہ کدی مرڑے وڑے لا رہے زور زراریاں وے
لہو کیوں کر نکلے نہ بھائی جتھے لگیاں تیز کٹاریاں وے
سر دتیاں باجھ نہ عشق پکے ایہہ نیں سوکھالیاں یاریاں وے
لگے دست اکوار نہ بند کچن وید لکھدے وید گیاں ساریاں وے
وارث شاہ میاں بھائی ورجدے نیں ویکھ عشق بنایاں خواریاں وے (۱۰)

ہیر کا بے خوف لہجہ نہایت قابلِ غور ہے کہ ایسے سماج میں جہاں مرد کی حاکمیت ہے اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت ہی اُن خطوط پر کی جاتی ہے کہ ان میں خوف کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خوف اِن کے لاشعور کا حصہ بن کر اِن کی پوری شخصیت کو مفلوج بنا دیتا ہے اِس پر طرہ یہ کہ اِس خوف کو نسوانیت کا جزو لاینفک بنا دیا گیا ہے اِس ضمن میں اینڈریا ڈوارکن اپنی کتاب 'جنس کی سیاست' میں لکھتی ہیں:

''عورت کی حیثیت سے ہم خوف کے متعلق سیکھتی ہیں کہ یہ ہماری نام نہاد نسوانیت کا وظیفہ ہے۔ ہمیں منظّم طور پر خوف کھانا ڈرنا سکھایا جاتا ہے کہ ڈر نہ صرف نسوانیت سے تطبیق رکھتا ہے بلکہ نسوانیت کا فطری جزو ہے۔ ہمیں خوف کھانے اور ڈرنے کا فن اِس طرح سکھایا جاتا ہے کہ ہم کسی

عمل کے قابل ہی نہ رہیں اور ہم مفعولی حالت میں رہیں نیز ہم عورتیں ہی رہیں............''(۱۱)

'ہیر' سراپا عمل ہے جب وہ دیکھتی ہے کہ اسکے والدین کسی طور بھی اسکا بیاہ رانجھے سے نہیں کریں گے تو وہ رانجھے سے کہتی ہے کہ آؤ یہاں سے بھاگ چلتے ہیں کیونکہ اگر میں کھیڑوں کے ساتھ رخصت کر دی گئی تو کبھی واپس نہیں آسکوں گی یہ نہایت جرأت مندانہ اقدام تھا جسکی ہیر کی طرف سے رانجھے کو تجویز پیش کی جاتی ہے۔

ہیر آکھیا رانجھیا قہر ہویا ایتھوں چل جے اٹھ کے چلنا ایں
دوویں اٹھ کے لمبڑے راہ پیے کوئی اساں نے دیس نہ ملنا ایں
جدوں جھگڑے وڑی میں کھیڑیاں دے کسے اساں نوموڑ نہ گھلنا ایں
ماں باپ نے جدوں ویاہ دتی کوئی اساں دا زور نہ چلنا ایں
اسیں عشق دے آن میدان رجھے برا سور میں نوں رنوں ہلنا ایں
وارث شاہ جے عشق فراق دوڑے ایہہ کٹک فیر آکھ کس جھلنا ایں (۱۲)

رانجھے کے انکار کے بعد بھی ہیر کا حوصلہ پست نہیں ہوتا بلکہ وہ جانتی ہے کہ ابھی ایک حربہ باقی ہے کہ اس کے اقرار کے بغیر قاضی اس کا نکاح نہیں پڑھا سکتا ہے۔لیکن ہونی ہو کر رہی اور سیدے کھیڑے کی بارات نہایت دھوم دھام سے سیالوں کے گھر آئی۔ابتدائی رسوم کے بعد نکاح کی باری آئی تو ہیر نے کھیڑے کے ساتھ نکاح سے انکار کر دیا۔قاضی نے بہتیرا ہیر کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ہیر اپنی بات پر قائم رہتی ہے۔قاضی اور ہیر کے درمیان ہونے والا مکالمہ نہایت معنی خیز ہے جہاں ہیر قاضی کو نہایت سخت جواب دیتی ہے۔

قاضی جسے معاشرہ میں بہت خاص اہمیت حاصل ہے اور جس کے کہے سے انکار کا تصور بھی اس سماج میں نہیں ہے کیونکہ وہ مذہبی معاملات کا اجارہ دار ہے۔لیکن ہیر اس کو خاطر میں نہیں لاتی اور خوب سناتی ہے۔

پڑھے علم جو عمل نہ کرے پورا وچ ہاویہ دوزخ (دے) سٹنا اے
جیہڑا حق نوں کرے ناحق میاں ایس جگ توں اوس کیہ کھٹنا اے
وڈا کھوہ ڈونگھا وِچ نرگ ہیگا رب قاضیاں نوں اوتھے سٹنا اے
زہد بندگی رات دن کرن ناہیں وچ اگ بریائی دی کھٹنا اے
میاں وِچ ایمان دے رہاں ثابت بھلا قاضیا تدھ کیہ وٹنا اے
وارث شاہ جو قاضیاں برا کیتا وڈے ڈونگھڑے کھوہ وِچ سٹنا اے (۱۳)

قاضی ہیر کو شرع کے احکامات بتا کر قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے جنت کے دلفریب نظاروں

سے لبھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن 'ہیر' کہتی ہے کہ یہ دُنیا فانی ہے اور میری ماں رانجھے کے ساتھ کٹے گئے قول سے پھر گئی ہے لیکن میں اپنے قول سے ہرگز نہیں ہار سکتی اور بھلے سارا ملک سمجھانے کے لیے آجائے میں رانجھے کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف نہیں دیکھوں گی۔

ہیرا آکھیا جیونا بھلا سوئی جیہڑا ہووے بی نال ایمان میاں
سبھو جگ فانی اکا رب باقی حکم کیتا ای آپ رحمان میاں
قول توڑیا ماؤں قرار کر کے کوکاں رب دے چا دیوان میاں
ایتھے سدا نہ رہیا مول کوئی اوڑک جاونا چھڈ جہان میاں
کل شئی ہالک الا وجہ حکم آیا ہے وچ قرآن میاں
میرے عشق نوں جاندا ڈھول باشک لوح قلم تے زمین اسمان میاں
رانجھا چھڈ کے نظر نہ غیر کرساں بھانویں رل کے آوے جہان میاں
وارث شاہ نہ چھڈساں رانجھنے نوں بھانویں دور کرو میری جان میاں (۱۴)

قاضی پھر ہیر کو نبی اور رسولؐ کے فرمان بتاتا ہے اور قابل کرنے کی اپنی سی کوششیں کرتا ہے لیکن ہیر کی نہایت مدلل گفتگو سے لاجواب ہو کر تشدد کی دھمکی دیتا ہے کہ تمہیں درّے مارے جائیں گے اور یہ کہ تمہیں زندہ جلا دیا جائے گا اس پر ہیرا سے سخت سست کہتی ہے اور کہتی ہے کہ تمہیں نجانے کس اُستاد نے پڑھایا ہے تمہیں شرع کی بالکل خبر نہیں ہے یہ شرع ہی تھی جس کی بنا پر منصور نے سولی قبول کی اور شمس تبریز نے اپنی کھال کھینچوائی تھی۔

اگوں ہیر بولی میاں قاضا وے تینوں کس اوستاد پڑھایا اے
تینوں شرع شریف دی خبر ناہیں سچ آکھ کہ رب بھلایا اے
موجب شرع دے جھلی منصور سولی شاہ شمس نے چم لہایا اے
وارث مسلیاں توں توں تاں ہیں جھوٹھا ساں کھول کے چا سنایا اے (۱۵)

جب کوئی حربہ کامیاب نہ ہوا تو قاضی نے چوچک سے مل کر 'ہیر' کی رضامندی لیے بغیر اس کا نکاح پڑھ دیا اور خواتین نے دھکیل کر اسے پالکی میں بٹھا کر رُخصت کر دیا لیکن یہاں پر بھی ہیر کا حوصلہ پست نہیں ہوتا اور وہ اس بات کا عہد کرتی ہے کہ سسرال والوں کو رسوا کروں گی اور سیدے کھیڑے کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔ یہ ایسی صورتحال ہے جس میں عام طور پر عورتیں ہار مان کر صبر کر لیتی ہیں لیکن ہیر کے ہاں ہمیں ایسی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ سیّد علی عباس جلالپور 'ہیر' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہیر وارث شاہ کا سب سے جاندار کردار ہے۔وہ شروع سے آخر تک داستان پر چھا گئی ہے۔وہ دوسرے رومانی نسوانی کرداروں سوہنی، اروسی، کوراں، سسی، دمنیتی وغیرہ سے مختلف ہے بے شک یہ سب ایثار عطا کی پتلیاں تھیں لیکن ہیر کے کردار میں جو شکوہ، دبدبہ اور طنطنہ ہے وہ اِن میں دکھائی نہیں دیتا۔ ہیر بڑی سے بڑی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتی اور نامساعد حالات کا ڈٹ کا مقابلہ کرتی ہے۔''(۱۶)

ہیر سراپا اخلاص ہے وہ بڑی بے رحمی سے سماج کی ریا کاری اور فریب کاری کا پردہ چاک کرتی ہے اور ملاؤں کے چہروں سے نقاب کھینچ کر اِن کی کریہہ صورتیں سامنے لے آتی ہے۔ وہ نام و ناموس کے بڑے بڑے بتوں کو پاش پاش کر دیتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ نیکی یا اچھائی معاشرہ کے جامد رسوم و رواج کی پابندی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ خلوص اور پیار سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر ہم تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو تھیبس (Thebes) یونان کے شاہ اڈیپس (Oedipus) کی بیٹی انٹی گونی (Antigone)(۱۷) کا کردار ہمارے سامنے آتا ہے جس نے اپنے نابینا باپ کا آخر وقت تک ساتھ دیا اور جب 'کریون' (Creon) نے تھیبس کو فتح کرنے کے بعد انٹی گونی کے بھائی پولی نیسس کو غدار قرار دیتے ہوئے اُس کو قتل کروا دیا اور یہ حکم دیا کہ پولی نیسس کی لاش گھوڑے پر ڈال دی جائے اور کوئی اِس کو دفن نہ کرے اور جو کوئی ایسا کرے گا اِسے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا لیکن انٹی گونی نے اِس سفاکانہ اور جابرانہ حکم کے خلاف بھائی کی لاش کو پورے احترام سے دفن کیا۔ اس جرم کی پاداش میں انٹی گونی کو دیوار میں چن دیا گیا۔ ہیر کا کردار بھی ہمیں انٹی گونی سے مماثل کردار دکھائی دیتا ہے جو ظلم و جبر کے خلاف سینہ سپر ہے اور حق اور سچ کو پوری بے باکی کے ساتھ مقتدر طبقے کے سامنے بیان کرتا ہے۔

سیّد علی عباس جلالپوری ہیر کو دیس پنجاب کی انٹی گونی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہیر کا کردار انٹی گونی کی طرح جدید عورت کے لیے تحریک و فیضان کا باعث ہوتا رہے گا بیسویں صدی کی جو عورتیں مرد کی غلامی سے نجات پانے کیلئے جدوجہد کر رہی ہیں ہیر اُن کی پیش رو ہے۔''(۱۸)

آج کے ترقی یافتہ اور مہذب معاشرہ میں بھی عورت اپنے حقوق کیلئے سرگرداں ہے اور استحصال کی صورت ہنوز ویسی ہی ہے آج بھی عورت ظلم کا شکار ہے آج بھی مذہب اور غیرت کے نام پر اِس کی زندگی کے چراغ گل کیے جاتے ہیں، اور آج بھی عورت اپنے بنیادی حقوق کیلئے مرد سماج سے اُلجھی دکھائی دیتی ہے اِن تمام حالات میں ہیر کا کردار مجبور و مقہور عورت کیلئے تحرّک کا باعث ہے۔

حوالہ جات

۱۔ زینی جارچولی، سرکار، مادرِ کائنات (جلد دوم) شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ص ۳۲

۲۔ علی عباس جلالپوری، تاریخ کا نیا موڑ، جنوری ۱۹۸۷ء، تخلیقات، ص ۱۷

۳۔ ایضاً، ص ۱۸

۴۔ سیمون دی بووا، جنس کی تاریخ، مترجم: یاسر جواد، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص ۹۵

۵۔ زینی جارچولی، سرکار، مادرِ کائنات، ص ۳۳

۶۔ وجاہت مسعود، صنفی فسادات کا تاریخی تناظر، نوکیس دور، کوئٹہ (عورت نمبر)، مارچ ۱۹۹۴ء، شمارہ ۳، جلد ۳۱، ص ۴۵

۷۔ ایضاً، ص ۴۷

۸۔ علی عباس جلالپوری، سیّد، تاریخ کا نیا موڑ، جنوری ۱۹۸۷ء، تخلیقات لاہور، ص ۳۱

۹۔ محمد باقر، ڈاکٹر (مرتب) سیّد وارث شاہ، ہیر، پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ص ۸۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۵۶

۱۱۔ اینڈریا ڈوارکن، جنس کی سیاست، مترجم: قاضی ذوالفقار احمد، لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۷ء، ص ۸۵

۱۲۔ محمد باقر، ڈاکٹر (مرتب) سیّد وارث شاہ، ہیر، پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ص ۵۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۰۳

۱۶۔ علی عباس جلالپوری، مقاماتِ وارث شاہ، جون ۱۹۷۲ء، لاہور: تخلیقاتِ، ص ۴۰

۱۷۔ سوفوکلیز انٹی گونی

۱۸۔ ایضاً، ص ۴۲